مسلک أھل حدیث

تحریر: ڈاکٹر صہیب حسن سیکرٹری اسلامک شریعت کونسل، لندن

مسلمانوں کے درمیان بے شمار فرقوں کا ہونا ایک حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اگر یہ فرقے ان پروں کے مانند ہوتے جو ایک عقاب کو اونچا اڑانے میں مدد دیتے ہیں تو پھر بھی انہیں مسند قبولیت حاصل ہو سکتی تھی لیکن معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ راقم نے ایک دنیا دیکھی ہے، اور وہ اپنے تجربہ کی روشنی میں بتا سکتا ہے کہ ان اختلافات نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے کتنا دور کر رکھا ہے۔ خود اہل سنت سے منسوب فرقوں میں بھی اسلام کے ایک سب سے بڑے رکن یعنی نماز کی کیفیات، اوقات، ھیئات کے بارے میں بھی گوناگوں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شافعی حضرات کے نزدیک ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، جبکہ حنفی فقہ کے مطابق امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا جائز نہیں۔ حنبلی، حنفی اور شافعی حالتِ قیام میں ہاتھ سینہ پر یا ناف کے اوپر باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، جبکہ مالکی ہاتھ لٹکائے رہتے ہیں اور یہی عمل اہل تشیع کا بھی ہے۔ مجھے افریقہ کے قیام کے دوران روڈیشا (حال زمبابوے) کے دارالخلافہ سالسبری (حال ہرارے) جانے کا اتفاق ہوا، وہاں شہر کے مسلم علاقے جس کا نام اس وقت بھی ہرارے تھا، کی طرف سے مجھے جمعہ کی نماز پڑھانے کی دعوت دی گئی، جمعہ سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا، اب ظہر کی نماز بھی پڑھا دیں۔ ظہر احتیاطی کے بارے میں سنا تو تھا، مشاہدہ میں بھی آ گیا، اس وقت تو سمجھا بجھا کر انہیں اس فعل سے باز رکھا، بعد میں خیر اللہ جانے !! یہ سب مذہباً شافعی تھے، بعض شوافع اس لئے بھی جمعہ کی نماز کے بعد ظہر پڑھنا لازم جانتے ہیں کہ لوگوں کی تعداد چالیس سے کم ہے۔

احناف کی مساجد میں عموماً فرض نماز کے بعد امام کی اقتداء میں دعا مانگی جاتی ہے لیکن افریقہ ہی کی بعض مساجد میں دیکھا کہ سنتوں کے اختتام کے بعد بھی نمازی اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک کہ امام از سرنو دعا نہ مانگ لیں، اور پھر یہ بھی دیکھا کہ جو لوگ آخر تک مسجد میں موجود ہیں، وہ مسجد کے صدر دروازے میں امام کا انتظار کرتے پائے گئے، تاکہ چلتے چلتے امام کے ساتھ الوداعی دعا بھی ہو جائے۔ حنابلہ سنت کے مطابق جماعت سے پہلے صفوں کی درستگی کے قائل ہیں، لیکن ان کے ہاں بھی پیر سے پیر اور کندھے سے کندھا ملانے والی بات نہیں دیکھی۔

اہل سنت کے حلقے سے باہر نکلا جائے تو اہل تشیع کے منتسبین میں اثنا عشری، بوھرہ جماعت اور اسماعیلیوں کے مابین اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل ہے۔ آخر الذکر نماز، روزے اور حج سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے نام سے عالم اسلام میں بے شمار نسبتیں پائی جاتی ہیں، جن میں سے چند

مشہور قادری، نقشبندی، چشتی، سہروردی ہیں۔ بعض لوگ فخریہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک نہیں کئی سلسلوں سے بیعت ہیں۔ ایک سلسلہ طریقت کے شیخ کی ویڈیو کیسٹ دیکھی جس میں ان کے مریدان باصفا شیخ کے سامنے حالت سجود میں نظر آئے، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی ان کے سامنے دھمال چوکڑا کا رقص کرتی نظر آئیں، عقل وخرد حیران ہے کہ کیا محمد عربی ﷺ کے لائے ہوئے دین میں یہ سب جائز ہوسکتا ہے؟ فرقہ واریت کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے، اس میں دورائے نہیں ہوسکتیں۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد موجود ہے: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا﴾ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت تقسیم ہو جاؤ''۔ [آل عمران:۱۰۳] ﴿ان الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعاً لست منهم في شئى﴾ ''جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق ڈالی اور وہ گروہوں میں تقسیم ہوگئے، تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں''۔ [الانعام:۱۵۹] لاریب کہ فرقہ اپنے مؤسس کی نسبت سے پہچانا جاتا ہے اور اس کے وجود سے قبل اس فرقہ کا وجود نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کلمہ گو افراد کیلئے ''مسلم'' کا لفظ نہ دیا ہوتا تو یقیناً اہل اسلام اپنے آپ کو ''محمدی'' کہلانا پسند کرتے۔ ہم یہاں یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صدیوں کی روایات کے مطابق ایک حنفی ماحول میں پلنے بڑھنے والا شخص اگر اپنی نسبت ''حنفی قرار دے یا شافعی تربیت کی بنا پر اپنے آپ کو ''شافعی'' کہے تو ہمیں اس سے سروکار نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے ندوۃ العلماء کے فارغ اپنے آپ کو ندوی اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ اپنے آپ کو دیوبندی کہلانا پسند کرتے ہیں، لیکن مسئلہ اس وقت گھمبیر ہو جاتا ہے جب یہ نسبتیں قرآن وحدیث سے ثابت شدہ کسی حکم یا سنت کو قبول کرنے سے آڑے آئیں اور دیگر اہل اسلام سے فطری قربت کو دوری اور وحشت میں تبدیل کر دیں۔ اپنے امام کو حرف آخر سمجھنا یا اس کی تقلید میں صحیح یا راجح بات کو قبول نہ کرنا چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے۔ چاروں ائمہ کرام دوسری اور تیسری صدی کے وسط میں دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور جیسا کہ ہم بعد میں بحث کریں گے، انہوں نے دین کی تفہیم، فقہی امور کی تشریح اور اپنی رائے کے اظہار میں اپنی صوابدید کے مطابق حق بات پیش کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اپنے کسی شاگرد کو اپنی رائے کا پابند بنانے پر مجبور نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں: ''دو صدیوں کے بعد ان میں تخریج مسائل کی کچھ کوششیں ہوئیں، لیکن چوتھی صدی کے لوگ کسی ایک مذہب کی تقلید خالص پر اکٹھے نہیں ہوئے، جیسا کہ دیکھ بھال سے معلوم ہوتا ہے، ان میں علماء بھی تھے اور عام لوگ بھی، عام لوگوں کا یہ دستور تھا کہ وہ ان اجماعی مسائل میں کہ جن میں مسلمانوں میں اختلاف نہیں ہے، صرف شارع کی تقلید کرتے تھے اور یہ لوگ وضو، غسل، نماز، زکوۃ اور ایسے دوسرے مسائل اپنے آباء سے یا اپنے شہر کے اساتذہ سے سیکھا کرتے تھے، اور اگر کوئی نیا مسئلہ پیش آجاتا تھا تو بغیر تعیین مذہب کسی بھی مفتی سے مسئلہ پوچھ لیا کرتے تھے''۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۔۱۲۲) آج ایک غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے،

بظاہر وہ اسی فرقہ میں داخل ہوگا کہ جس کے نام لیوا کسی دوست کی بنا پر وہ اسلام سے متعارف ہوا ہے، لیکن اگر وہ اپنی تحقیق سے مسلمان ہوا ہو، یا کسی بھی اہل علم سے یہ سوال کرے کہ میں کس فرقہ میں داخل ہوں تو اس کا کیا جواب ہو گا؟ کیا سب سے بہتر جواب یہ نہ ہوگا کہ اسلام کے اس ماڈل کو اپنانے کی کوشش کرو جسے محمد عربی ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں نے اختیار کیا تھا، یا کم از کم اس جماعت میں داخل ہونے کی کوشش کرو جو اپنی نسبت صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کرتی ہے، ایک امام نہیں بلکہ چاروں ائمہ کرام اور ائمہ محدثین کی کاوشوں کا احترام کرتی ہے اور سب سے استفادہ کرنا اپنا مسلک اور شعار سمجھتی ہے۔ ہمارے اس جواب کی بنیاد نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''یہود 71 فرقوں میں اور نصاریٰ 72 فرقوں میں تقسیم ہوئے، یہ امت 73 فرقوں میں تقسیم ہوگی، جو سب کے سب جہنم میں ہوں گے، سوائے ان لوگوں کے جو میرے طریق پر ہوں گے اور میرے صحابہ کے طریق پر۔ (ابوداؤد، بروایت معاویہؓ)

لاریب کہ (ما أنا عليه وأصحابي) کا راستہ اپنانے کا تمام اہل سنت بشمول اہل حدیث دعویٰ کرتے ہیں، لیکن یہ دعویٰ دلیل و برہان کا محتاج ہے۔ آیئے صحابہ کرامؓ کے طریق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ کون سی جماعت اس طریق کے قریب ترین ہے۔

طریق صحابہؓ کے بنیادی خدوخال:

۱۔ صحابہ کرامؓ میں عام مسلمان بھی تھے اور اہل علم بھی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فاسألوا أهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾ ''اہل ذکر (یعنی وحی الٰہی) سے سوال کرو، اگر تم نہیں جانتے ہو''۔ [الانبیاء: ۷] کے مصداق عام افراد اہل علم صحابہ سے مسائل میں رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ چونکہ صحابہ مختلف شہروں میں سکونت پذیر تھے اس لئے ہر علاقے کے لوگ اپنے شہر کے اہل علم سے مسائل معلوم کیا کرتے تھے، لیکن حج کے موقع پر لوگ اس کی طرف رجوع کرتے تھے جو اپنے علم میں زیادہ نمایاں ہو چکا ہو۔ لیکن صحابہ کے ماننے والوں میں کسی ایک صحابی کی طرف نسبت کرنے کا رجحان قطعاً نہیں پایا جاتا تھا، یعنی لوگ، بکری، عمری، عثمانی اور علوی کے نام سے نہیں پہچانے جاتے تھے''۔

۲۔ صحابہ کرامؓ میں یہ امتیاز پایا جاتا تھا کہ بعض صحابہ آنحضور ﷺ کی صحبت میں شب و روز رہنے کی بنا پر ایسی کئی سنتوں سے واقف تھے کہ جن سے دوسرے صحابہ اتنی واقفیت نہیں رکھتے تھے، اس لئے جونہی آنحضور ﷺ کی کوئی سنت ایک ناواقف حال کے علم میں لائی جاتی تھی، وہ سر تسلیم خم کر دیا کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حج کے موقعہ پر ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ سے پوچھا کہ آپ کا حج تمتع کے بارے میں کیا خیال ہے؟ عبداللہؓ نے فرمایا: جائز ہے۔ وہ کہنے لگا: لیکن آپکے والد محترم تو حج تمتع سے

منع کرتے تھے۔عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: میں اللہ کے رسول ﷺ کا حکم مانوں یا اپنے باپ کا؟ یہی ابن عمرؓ ہیں، جن کے ایک بیٹے بلال نے اس بنا پر اپنے گھر کی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا تھا کہ وہ لوگوں کیلئے باعث فتنہ بنتی ہے، اس پر ابن عمرؓ نے کہا: لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے تو اجازت دی ہے اور پھر آپ ﷺ کا یہ قول پیش کیا: ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کے گھروں سے نہ روکو!'' بلال نے کہا: لیکن میں تو روکوں گا۔ابن عمرؓ اتنے جلال میں آئے کہ یہ کہہ گزرے: اللہ کی قسم! اب میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گا، میں تیرے سامنے اللہ کے رسول کا قول پیش کر رہا ہوں اور تو اسے نہیں مانتا.....اور پھر واقعی انہوں نے اپنی وفات تک اپنے بیٹے سے بات نہ کی۔

۳۔ اگر کسی امر میں اختلاف ہو جاتا تو قول رسول ﷺ سب کیلئے قول فیصل کی حیثیت رکھتا۔آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد تین مسائل میں اختلاف ہوا: آپ کو کہاں دفن کیا جائے.....؟ آپ کا ترکہ کیا وارثین میں تقسیم کیا جائے.....؟ مہاجرین وانصار میں کون خلافت کا زیادہ مستحق ہے؟ تیسرا مسئلہ تو انتہائی نزاعی مسئلہ تھا کہ جس پر تلواریں میان سے نکل سکتی تھیں، لیکن ان تینوں مسائل پر حضرت ابوبکرؓ نے قول رسول ﷺ پیش کیا، جسے سب نے بلا تأمل قبول کیا۔ پہلے مسئلہ کی بابت یہ حدیث پیش کی: (لا یدفن نبی الا حیث یقبض) ''نبی وہیں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی روح قبض ہوتی ہے''۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کو حجرہ عائشہؓ میں دفن کیا گیا۔ دوسرے مسئلہ کے بارے میں یہ حدیث پیش کی: (نحن معاشر الأنبیاء لانورث، ماترکنا صدقة) ''ہم انبیاء کا گروہ ہیں کہ جن کی وراثت نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے''۔ تیسرے مسئلہ کے بارے میں یہ حدیث سنائی: (الائمة من قریش اذافقهوا) ''امام قریش میں سے ہوں گے بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں''۔

اس حدیث کے سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ ہاتھ بڑھائیں تاکہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور پھر بقیہ مہاجرین اور انصار بھی بیعت کیلئے لپک پڑے۔

۴۔ قرآن کے کسی لفظ یا آیت کے بارے میں ابہام پیدا ہو جاتا تو صحابہؓ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ آنحضور ﷺ نے اس کی کیا تفسیر پیش کی تھی، اگر آپؐ کا قول نہ ملتا تو ان صحابہ کی طرف رجوع کیا جاتا، جنہیں قرآن سے خصوصی شغف تھا، جن میں عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ اور خلفاء اربعہ شامل ہیں

بعض آیات کی تفسیر اور توجیہہ میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، جیسے سورۃ نور کی آیت ﴿ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها﴾ ''اور عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے'' عبداللہ بن عباسؓ نے اس سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد لئے ہیں۔اور عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ رائے ظاہر کی کہ چہرہ اور ہاتھ دونوں چھپائے جائیں، الا یہ کہ ہوا کی بنا پر اگر نقاب ہٹ جائے یا کسی اور اتفاقی سبب کی بنا پر تو ایسی

صورت میں عورت پر کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ ایسے ہی مطلقہ خاتون کی عدت کے بارے میں ''ثلاثة قروء'' کے الفاظ وارد ہوئے، بعض کے نزدیک ''قروء'' سے مراد حیض اور بعض کے نزدیک طُہر ہے۔ صحابہ میں سے پہلی رائے حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور ابوسیٰ الاشعریؓ کی ہے۔ دوسرے رائے حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ اور زید بن ثابتؓ سے مروی ہے اور یہی اختلاف پھر امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کی رائے میں بھی رہا ہے۔ ایک اور مثال لیجئے: قرآن کی رو سے حاملہ عورت (اگر طلاق ہو جائے) کی عدت وضع حمل ہے۔ (سورہ الطلاق) اور بیوہ عورت کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ (سورۃ البقرۃ) لیکن بیوہ عورت اگر حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ جمہور علماء کے نزدیک دونوں مدتوں میں جو پہلے ختم ہو جائے، اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک دونوں مدتوں میں سے جو زیادہ لمبی ہو وہ قرار پائے گی۔ اس قسم کی متضاد آراء میں ائمہ کرام نے دونوں طریقے اختیار کئے ہیں۔

اوّل: کسی ایک صحابی کے قول کو اپنا لیا۔

دوم: اس صحابی کے قول کو اپنایا جس کی تائید میں مزید قولی یا عملی سنت نبویہ یا اثر صحابی موجود ہو، مثلاً مذکورہ مسئلہ میں سبیعہ الاسلمیہ کا واقعہ پہلی رائے کی تائید کرتا ہے۔

۵۔ صحابہ میں یقیناً سیاسی محاذ آرائی کی کیفیت ضرور پیدا ہوئی، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین رونما ہوئیں لیکن اس میں بھی زیادہ دخل ان فتنہ پردازوں کا تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کا خون ناحق کیا اور پھر قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے مطالبے کو نمایاں کر کے اس جماعت باصفا کو آپس میں لڑا دیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی لڑائی کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہیں تھی۔ حضرت عائشہؓ نے کئی مسائل میں صحابہ سے اختلاف کیا لیکن اس اختلاف کی بنا پر آپس کی مودّت وشفقت میں کمی نہیں آئی۔ حضرت علیؓ جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہؓ کی نسبت سے اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کی بیعت عامّہ ہونے کے بعد آپ نے سکوت اختیار کیا اور حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد کھلے عام حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور پھر وہ خلفاء ثلاثہ کے دور خلافت میں ان کے وزیر اور مشیر رہے۔ بلکہ ان کا دایاں بازو رہے، ان کی تعریف وتوصیف کرتے رہے اور بعد میں آنے والوں کیلئے ﴿رحماء بینھم﴾ کی مثال قائم کرتے گئے۔

۶۔ حدیث رسولؐ کی عظمت کی بنا پر انہوں نے حدیث کو قبول کرنے کیلئے پوری احتیاط سے کام لیا، اگر کسی نے حدیث پیش کی تو اس پر مزید ایک اور شاہد صرف احتیاط کی بنا پر طلب کیا، ایسے کئی واقعات حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی سیرت میں ملتے ہیں۔ حضرت علیؓ راوی سے قسم اٹھانے کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ آنحضور ﷺ سے کوئی جھوٹی بات منسوب نہ کی جا سکے۔ تابعینؒ میں یہ سلسلہ ایک قدم اور آگے بڑھا اور راوی سے پوری اسناد بیان کرنے کا مطالبہ کیا

جاتا۔محمد ابن سیرین (تابعی) کہتے ہیں: اگر اسناد نہ ہوتی تو جو چاہتا جیسا چاہتا بیان کر دیتا۔اور کہا: یہ تو علم ہے علم، اس لئے دیکھ بھال کر لو کہ یہ علم کہاں سے لیا ہے؟

۷۔ صحابہؓ کیلئے دین کے بنیادی مراجع قرآن وسنت تھے۔اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت پر قرآن میں متعدد آیات ہیں۔قرآن میں اللہ کی محبت کی نشانی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو بتایا گیا ہے [آل عمران:۳۱] آنحضور ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو فتنہ میں مبتلا ہونے یا ''عذاب الیم'' سے دوچار ہونے کی وعید سنائی گئی ہے۔[سورۂ نور:۶۳] بروایت حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔اللہ کی کتاب اور میری سنت''۔[موطا، مستدرک حاکم] خلفاء راشدین کی سنت کو اپنی سنت کا تسلسل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو''۔[بروایت عرباض بن ساریہ] صحابہؓ نے قیاس صحیح کو مانا ہے اور قیاس فاسد کو مسترد کیا ہے۔قیاس کو اس لئے قبول کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بعض مسائل میں قیاس کا اعتبار کیا ہے مثلاً ایک عورت نے سوال کیا: ''میری ماں فوت ہو چکی ہے، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اسے نہ ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو پھر اللہ کا قرض اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔[متفق علیہ] صحابہ نے بعض باتوں پر اجماع کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ فرما گئے ہیں: (**لا تجتمع امتی علی ضلالة**) میری امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی۔جیسے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں قرآن کا ایک مصحف کی شکل میں جمع کرنا، مرتدین اور مانعین زکاۃ سے قتال کرنا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن سے اجماع کی دلیل معلوم کرنے کیلئے کوئی سو دفعہ قرآن پڑھا، یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت اجماع کی دلیل قاطع بن کر ابھر آئی: ﴿**ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساء ت مصیراً**﴾[النساء:۱۱۵]

۸۔ صحابہ کرامؓ اس حدیث نبوی کے سب سے پہلے مصداق تھے اور یہ حدیث اس بات کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے کہ طائفہ منصورہ کا وجود ہر زمانہ میں رہے گا۔(**لا تزال طائفة من أمتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة**)[متفق علیہ] ''میری امت میں قیامت تک ایک جماعت رہے گی جو حق پر قائم رہنے والی ہوگی، ان کا ساتھ نہ دینے والے ان کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے حتیٰ کہ آخری گھڑی آجائے گی''۔یہ چند نمایاں اوصاف ہیں جو صحابہ کرامؓ کے دور سے متعلق تھے۔ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے اپنی فطری استعداد کی بنا پر یا تو احادیث میں یا فقہ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں لیکن جہاں تک قرآن کے ساتھ

حدیث کے قول فیصل ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں کوئی ابہام نہیں رکھا۔ ائمہ اربعہؒ کے اقوال ملاحظہ ہوں: امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول ہے: (اذا صح الحدیث فھو مذھبی) ''حدیث اگر صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے''۔ [حاشیہ ابن عابدین: ۱:۶۳] امام مالکؒ کہتے ہیں: ''میں ایک انسان ہوں، کبھی غلطی کرتا ہوں اور کبھی درست بات کہتا ہوں، اس لئے میری رائے کے بارے میں دیکھ بھال کر لو۔ جو کتاب وسنت کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو اسے چھوڑ دو''۔ [ابن عبدالبر، جامع العلوم ۲:۳۲] امام شافعیؒ کہتے ہیں: ''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص پر آنحضور ﷺ کی کوئی سنت واضح ہو جائے تو اس کیلئے جائز نہیں کہ اسے کسی کے قول کی بنا پر چھوڑ دے''۔ [ابن القیم: اعلام ۲:۳۶۱] امام احمد ابن حنبلؒ کا مشہور قول ہے: ''نہ میری تقلید کرو، نہ مالک، شافعی، اوزاعی یا ثوری کی بلکہ وہیں سے لو جہاں سے انہوں نے لیا ہے''۔ [ابن القیم، اعلام، ۲:۳۰۲]

اور اسی بنا پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر ایک حنفی یا شافعی (وغیرہم) صحیح حدیث پر عمل کرتا ہے اور اپنے امام کا قول چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنے امام کے بتائے ہوئے راستے پر ہی عمل کر رہا ہے، اس کے مقابلہ میں جو شخص حدیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول ہی کو حجت گردانتا ہے وہ اپنے امام کی مخالفت کر رہا ہے۔

حالتِ سفر میں دو نمازوں (جیسے ظہر اور عصر یا مغرب اور عشاء) کو جمع کرنا آنحضور ﷺ کے عمل سے اتنا واضح ہے کہ اسے صرف مذہب کی بنا پر نہ ماننا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ خیال رہے کہ قصر کرنے میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت کے مطابق آنحضور ﷺ نے نہ صرف چمڑے کے موزوں پر (جسے عربی میں خُف کہا جاتا ہے) بلکہ مطلق جرابوں پر (چاہے سوتی ہوں یا اونی) بھی مسح کیا ہے۔ بعض احناف اس بات کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کرتے ہیں اور جب انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے وفات سے قبل اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور تساخین (یعنی ہر وہ جراب جس سے پیر کو گرم رکھا جا سکے) پر مسح کرنے کی ہدایت کی تھی، تب بھی انہیں اس بارے میں انشراح صدر نہیں ہوتا۔ اختلاف رائے کے ضمن میں فقہ کی کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے دو معتمد شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن شیبانی نے اپنے استاد سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ بعد کے فقہاء نے صرف ترجیح دی ہے اور کبھی امام صاحب کی رائے کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور کبھی صاحبین کی رائے کی مطابق۔ یہی اصول اگر باقی ائمہ کی آراء کا بھی احاطہ کر لے تو امت کیلئے یقیناً آسانی پیدا ہوگی۔ ائمہ نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا لیکن معاصرانہ چشمک کو ہوا نہ لگنے دی۔

ہم عصر ائمہ ایک دوسرے کا احترام کیا کرتے تھے، اور فقہی اختلاف کی بنا پر آپس میں دیواریں نہیں کھڑی کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں بھی شیخ ابن بازؒ، شیخ البانیؒ اور شیخ ابن عثیمینؒ کی روشن مثالیں ابھی ذہنوں میں تازہ ہیں،

ان علماء کا بعض مسائل میں اختلاف ہوا لیکن ایک دوسرے کے احترام واکرام میں کوئی کمی نہیں آئی۔

اہل حدیث اپنے مسلک کے اعتبار سے ائمہ کرام اور ان کے تلامذہ کے طریق پر ہی قائم ہیں کہ جس کی ابتداء دور صحابہ سے ہوگئی تھی، ان کے مسلک کے بارے میں چند نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کرنا فائدے سے خالی نہ ہو گا۔ قرآن وحدیث دین کے بنیادی مأخذ ہیں، قیاس اور اجماع دونوں حجت ہیں۔ کسی آیت کی تفسیر وتعبیر میں اختلاف ہو تو اس صحابیؓ کا قول لے لیا جائے جس پر مزید شواہد موجود ہوں۔ ''کل بدعة ضلالة'' کی روشنی میں بدعات کی بیخ کنی کی جائے نہ کہ ان کی سرپرستی۔ تمام ائمہ اہل سنت قابل احترام ہیں، ان کے علم سے استفادہ کیا جائے اور ان کے اقوال میں اس قول کو ترجیح دی جائے جس کے دلائل قرآن وحدیث سے ثابت ہوں۔ ائمہ نے اصول فقہ کے نام سے ایسے اصول وضع کئے ہیں جن سے مسائل کی تنقیح میں مدد ملتی ہے لیکن کسی ایسے اصول سے حدیث نبوی کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضور ﷺ کی شخصیت کے بعد کسی ایک شخص (یعنی امام) کی تقلید کو لازم قرار دینا، دین کے اندر اضافہ ہے۔ دین آنحضور ﷺ پر مکمل ہو چکا ہے، آپؐ کا قول حرفِ آخر ہے۔ اجتہادی مسائل میں ائمہ کے اجتہادات سے یقیناً فائدہ اٹھانا چاہیے، اگر ان کی کسی رائے کو اختیار کیا جائے تو اسے شریعت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا کہ جس سے اختلاف کرنا ناجائز ہو۔ اللہ نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے ﴿هو سما كم المسلمين﴾ آج کل کے دور میں فرقوں کی کثرت کی وجہ سے ایسا وصفی نام جس کی تائید قرآن وحدیث سے ہوتی ہو رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تاکہ مخاطب کو معلوم ہو سکے کہ آپ کس بات کے داعی ہیں۔ جس طرح قرآن میں یہود ونصاریٰ کیلئے اہل کتاب کا لفظ آیا ہے، حالانکہ وہ اپنے دور میں مسلمان ہی تھے، اور جیسے ایک حدیث میں قراء کو 'یا أهل القرآن'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، اسی طرح اگر قرآن وسنت کی طرف بلانے والے اپنے آپ کو (أهل الحديث) کہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ حدیث کا لفظ قرآن اور قول رسول ﷺ دونوں پر حاوی ہے۔

جیسے فرمایا: ﴿ومن أصدق من الله حديثاً﴾ [النساء:۸۷] ''اللہ سے زیادہ اور کس کی بات سچی ہوسکتی ہے''۔ ﴿الله نزل أحسن الحديث﴾ [الزمر:۲۳] ''وہ اللہ ہے جس نے بہترین بات (یعنی قرآن) اتاری''۔ صحابہؓ میں سے ابوسعید خدریؓ نے تو یہ لفظ اپنے شاگردوں کیلئے استعمال کیا کہتے ہیں (انكم خلوفنا وأهل الحديث بعد نا) [شرف اصحاب الحدیث:۲۱] ''تم ہمارے خلف ہو اور ہمارے بعد اہل حدیث ہو''۔

اہل حدیث چونکہ تمام ائمہ سے استفادہ کرنے کے قائل ہیں، اس لئے ان کا ذہنی افق وسیع اور ان کی استعداد علمی نمایاں رہی ہے۔ اللہ کی کتاب کے بعد اصح ترین کتاب کا لقب امت نے صحیح بخاری کو دیا ہے، جو کہ زمرہ محدثین کے سرخیل ہیں۔ اہل حدیث اگر ابن حزم سے استفادہ کرتے ہیں تو امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم کو سر آنکھوں

پر بٹھاتے ہیں۔ اِس دور میں ان کی کتب سے جو علم پھیلا ہے، خود ان کے اپنے زمانہ میں انہیں اتنی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اہل حدیث تصوف کے مختلف طریقوں میں بیعت ہونے کے بجائے تزکیہ نفس کیلئے قرآن وحدیث کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیز گار علماء ومشائخ کی صحبت اختیار کرنے اور ان کے علم وتقویٰ کی خوشہ چینی کے ہمیشہ سے قائل رہے ہیں۔ بدعات کے خلاف اصلاحی تحریکات ہوں یا اعداء اسلام کے خلاف جہاد، اہل حدیث نے دونوں تحریکوں میں اپنا پورا وزن ڈالا ہے۔ ہندوستان میں سید احمد شہید وسید اسماعیل شہید کی تحریک جہاد اور جزیرۂ عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی اصلاحی تحریک اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ﴿تلک عشرة كاملة﴾ آخر میں ہم یہ کہے بغیر نہ رہیں گے کہ اکیسویں صدی میں اگر غور سے مسلمانوں کی حالت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہوگا کہ فکر اہل حدیث غیر شعوری طور پر علماء کی صفوں میں گھر کر چکا ہے، بلاد اسلامیہ میں جا بجا فقہی کونسلیں قائم ہو چکی ہیں جن میں نت نئے مسائل پر بحث ومباحثہ کیا جاتا ہے اور تمام فقہاء بشمول ابن حزم کی آراء تک کو لیا جاتا ہے۔ پچھلی صدی میں گو مذہب سے تعصب عروج پر تھا، لیکن مولانا اشرف علی تھانویؒ نے (الحيلة الناجزة للحليلة العاجزه) لکھ کر اپنے ہم مسلک علماء کے سامنے دوسرے مذاہب سے استفادہ کا راستہ کھول دیا۔ اس کتاب میں کئی مسائل پر بحث کی گئی ہے لیکن مرکزی مضمون اس عورت کی حالت سے متعلق ہے جس کا شوہر مفقود ہو، کیونکہ حنفی مذہب کے مطابق ایسی عورت اس وقت تک اپنے نکاح سے فارغ نہیں سمجھی جائے گی جب تک کہ مفقود شوہر اپنی طبعی عمر کو نہ پہنچ جائے، اس لئے مولانا تھانوی نے مالکی مذہب کا قول لینے کا عندیہ ظاہر کیا کہ جس کی بنیاد حضرت عمرؓ کا یہ فتویٰ ہے کہ ایسی عورت صرف چار سال انتظار کرے اور اس کے بعد قاضی اس کے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے مذہبی جمود کے دور میں یہ وقت بھی آیا ہے کہ حنفی شافعی کے پیچھے اور شافعی حنفی کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا، خود حرم مکہ میں چاروں مذاہب کے نام پر چار مصلّے تھے۔ موجودہ سعودی حکومت کے حسنات میں سے ایک عظیم نیکی یہ بھی ہے کہ حرم میں اب صرف ایک جماعت ہوتی ہے جیسا کہ اسلام کے زرّیں دور میں ہوتی رہی ہے۔ اہل حدیث امت کی اسی وحدت کے داعی ہیں۔

بشری کمزوریوں کی بنا پر ان میں بہت سی خامیاں دیکھی جا سکتی ہیں لیکن جہاں تک ان کے مسلک اور ان کی دعوت کا تعلق ہے، اس کے ڈانڈے صحابہ کرامؓ کی جماعت سے ملتے ہیں، اور ہم اپنی کوتاہی، خامی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہتے جاتے ہیں: (أحب الصالحين ولست منهم.....لعل الله يرزقني صلاحاً) ''میں نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہوں گو ان میں سے نہیں ہوں، شاید کہ اللہ مجھے بھی نیکی کی توفیق عطا فرما دے''۔ وصلى الله تعالى على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.